مقالات

اسلامی تہذیب اور اُس کے اصول و مبادی

(۱۸)

ایمان

ایمانیات پر مجموعی نظر ایمان کے پانچوں شعبوں پر تفصیل کے ساتھ کلام کیا جا چکا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے متعلق اسلام کا تفصیلی عقیدہ، نقد صحیح کے لحاظ سے اس کا عقلی مرتبہ، انسانی سیرت پر اس کے اثرات، اور تہذیب کی تاسیس و تشکیل میں اس کا حصہ آپ معلوم کر چکے ہیں۔ اب ایک مرتبہ مجموعی حیثیت سے ان سب پر نظر ڈال کر دیکھنا چاہئے کہ یہ ایمانیات مل جل کر کس قسم کی تہذیب پیدا کرتے ہیں۔

اس مضمون کے ابتدائی ابواب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلامی تہذیب کا سنگ بنیاد، حیات دنیا کا یہ تصور ہے کہ انسان کی حیثیت اس کرۂ خاکی میں عام موجودات کی سی نہیں ہے، بلکہ وہ خداوند عالم کی طرف سے یہاں خلیفہ بنا کر اُتارا گیا ہے۔ اس تصور سے، بطور ایک عقلی نتیجہ کے، انسان کی زندگی کا یہ نصب العین قرار پایا کہ وہ اپنے خالق اور اپنے آقا کی خوشنودی حاصل کرے، اور اس نصب العین کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہو گیا کہ

اوّلاً وہ خدا کی صحیح معرفت حاصل کرے،

ثانیاً، وہ صرف خدا کو آمر اور ناہی، حاکم اور مطاع سمجھے اور اپنے اختیار کو احکام خداوندی کے تابع کر دے،

ثالثاً، وہ ان طریقوں کو معلوم کرے جن سے خدا کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے، اور جب وہ طریقے

معلوم ہو جائیں تو انہی کے مطابق زندگی بسر کرے،

رابعًا، وہ خدا کی خوشنودی کے ثمرات اور اسکی ناخوشی کے نتائج سے واقف ہو، تاکہ حیات دنیا کے ناکمل نتائج سے دھوکہ نہ کھائے۔

وہ پانچ عقیدے جن کی تفصیل آپ کو اوپر معلوم ہو چکی ہے، اسی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔

خدا کی ذات وصفات کے متعلق جو کچھ قرآن میں بیان کیا گیا ہے وہ سب اس لیے ہے کہ انسان کو اس ہستی کی صحیح معرفت حاصل ہو جس کی طرف سے وہ خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجا گیا ہے اور جس کی خوشنودی حاصل کرنا اس کی زندگی کا نصب العین ہے۔ ملائکہ کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس لیے ہے کہ انسان، کائنات کی کارکن طاقتوں میں سے کسی کو کارفرما نہ سمجھ بیٹھے، اور کارفرمائی میں خدا کے سوا کسی کو شریک نہ قرار دے۔ اس علم صحیح کے بعد خدا پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح تمام کائنات اور خود انسان کی زندگی کے غیر اختیاری شعبے پر خدا کی حکومت ہے، اسی طرح انسان اپنی زندگی کے اختیاری شعبے میں بھی خدا کی حکومت تسلیم کرے، ہر معاملہ میں خدا کو واضع قانون اور اپنے آپ کو صرف متبع قانون سمجھے، اور اپنے اختیارات کو ان حدود کے اندر محدود کر دے جو خدا نے مقرر کیے ہیں۔ یہی ایمان اپنے اندر وہ قوت رکھتا ہے جو انسان کو خدا کی فرماں روائی کے آگے بطوع ورغبت سر تسلیم خم کر دینے کے لیے آمادہ کرتی ہے۔ اس سے ہر مومن کے اندر ایک خاص نوعیت کا ضمیر پیدا ہوتا ہے، اور ایک خاص قسم کی سیرت بنتی ہے جو قانون اور حدود کے مجبورانہ نہیں بلکہ رضاکارانہ اتباع کے لیے ضروری ہے۔

رسالت اور کتاب کا عقیدہ تیسری ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ انہی دونوں کے ذریعہ سے انسان کو اُن قوانین اور اُن طریقوں کا تفصیلی علم حاصل ہوتا ہے جن کو خدا نے انسان کے لیے مقرر کیا ہے۔ اور ان حدود کی شناخت میسر ہوتی ہے جن سے خدا نے انسان کے اختیارات کو محدود فرمایا ہے۔ رسول کی تعلیم کو خدا کی تعلیم، اور اس کی پیش کی ہوئی کتاب کو خدا کی کتاب سمجھنا ہی ایمان بالرسالت اور ایمان بالکتاب ہے اور اس ایمان ہی سے انسان میں یہ قابلیت پیدا ہوتی ہے کہ یقین واذعان کے ساتھ اُن قوانین اور طریقوں اور حدود کی

پابندی کرے جو خدا نے اپنے رسول اور اپنی کتاب کے واسطے سے اس کو بتائے ہیں۔

آخری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے معاد کا علم ہے۔ اس سے انسان کی نظر اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ وہ ظاہر حیات دنیا کے پیچھے ایک دوسرے عالم کو دیکھنے لگتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کی خوش حالی و بدحالی اور منفعت و مضرت، خدا کی خوشنودی و ناخوشی کا معیار نہیں ہے، اور خدا کی جانب سے اعمال کی جزا و سزا اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ آخری فیصلہ ایک دوسرے عالم میں ہونے والا ہے۔ وہی فیصلہ معتبر ہے، اور اس فیصلے میں کامیابی کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں خدا کے قانون کی صحیح پیروی اور اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کی پوری پابندی کی جائے۔ اسی عقیدے پر جزم و یقین کا نام ایمان بالیوم الآخر ہے اور ایمان باللہ کے بعد یہ دوسری زبردست قوت ہے جو انسان کو قوانین اسلامی کے اتباع پر ابھارتی ہے۔ تہذیب اسلامی کے لیے انسان کو ذہنی اعتبار سے مستعد کرنے میں اس اعتقاد کا بڑا حصہ ہے۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ اساسی اعتقادات انہی خطوط پر تہذیب کی تاسیس و تشکیل کرتے ہیں جو حیات دنیا کے اس مخصوص تصور اور اس خاص نصب العین نے کھینچ دیے تھے۔ ایسی تہذیب کے لیے عقلاً جس اساسی عقیدہ کی ضرورت ہے وہ انہی پانچ امور پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ ان کے سوا کسی دوسرے اعتقاد میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ اس مخصوص طرز کی تہذیب کے لیے اساس بن سکے، کیونکہ کوئی دوسرا عقیدہ اس خاص تصور حیات اور نصب العین کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا۔

تہذیب اسلامی کا خاکہ ایمانیات کی جو تفصیلات اوپر بیان ہوئی ہیں، ان پر نظر ڈالنے سے اُس تہذیب کا پورا خاکہ ہمارے سامنے آجاتا ہے جس کی تاسیس ان کے ذریعہ سے کی گئی ہے۔ اس خاکہ کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

(۱) اس تہذیب کا نظام ایک سلطنت کا سا نظام ہے اس میں خدا کی حیثیت عام مذہبی تصور کے لحاظ سے محض ایک "معبود" کی سی نہیں ہے، بلکہ دنیوی تصور کے لحاظ سے وہی حاکم مطلق بھی ہے۔ وہ دراصل اس سلطنت کا شہنشاہ ہے، رسول اس کا نمائندہ ہے، قرآن اس کی کتاب آئین ہے، اور ہر وہ شخص جو اسکی

شہنشاہی کو تسلیم کرکے اس کے نمایندے کی اطاعت اور اسکی کتاب آئین کا اتباع کرنا قبول کرے، اس سلطنت کی رعیت ہے۔ مسلمان ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس شہنشاہ نے اپنے نمایندے اور اپنی کتاب آئین کے ذریعہ سے جو قوانین مقرر کردیے ہیں ان کو بے چون وچرا تسلیم کیا جائے خواہ ان کی علت و مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جو شخص خدا کے اس اختیار مطلق اور اس کے قانون کا شخصی یا اجتماعی رائے سے بالاتر ہونا تسلیم نہیں کرتا، اور اس کے فرمان کو ماننے یا نہ ماننے کا حق اپنے لیے محفوظ رکھتا ہے، اس کے لیے اس سلطنت میں قطعاً کوئی گنجایش نہیں ہے۔

(۲) چونکہ اس تہذیب کا اصل مقصد انسان کو آخری کامیابی (یعنی آخرت کے فیصلہ میں خداوند عالم کی خوشنودی سے سرفراز ہونے) کے لیے تیار کرتا ہے، اور اس کامیابی کا حصول اس کے نزدیک موجودہ زندگی میں انسان کے صحیح عمل پر موقوف ہے، اور یہ جاننا کہ آخری نتیجہ کے اعتبار سے کون سا عمل مفید ہے اور کون سا مضر انسان کے بس کا کام نہیں، بلکہ وہی خدا اس کو بہتر جانتا ہے جو آخرت میں فیصلہ کرنے والا ہے، اس لیے یہ تہذیب انسان سے مطالبہ کرتی ہے کہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں خدا کے بتائے ہوئے طریقوں کی پیروی کرے، اور اپنی آزادی عمل کو شریعت الٰہی کی قیود سے مقید کردے۔ اس طرح یہ تہذیب دین اور دنیا دونوں کی جامع ہے۔ اس کو عام محدود معنوں میں "مذہب" کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ ایک ایسا وسیع نظام ہے جو انسان کے افکار و خیالات، اس کے شخصی کردار و اخلاق، اس کے انفرادی عمل، اس کے خانگی معاملات، اس کی معاشرت، اس کے تمدن، اس کی سیاست، سب پر حاوی ہے اور ان تمام معاملات میں جو طریقے اور قوانین خدا نے مقرر کیے ہیں ان کے مجموعہ کا نام دین اسلام یا تہذیب اسلامی ہے۔

(۳) یہ تہذیب کوئی قومی یا ملکی یا نسلی تہذیب نہیں ہے، بلکہ صحیح معنوں میں انسانی تہذیب ہے۔ یہ انسان کو بحیثیت انسان کے خطاب کرتی ہے، اور ہر اس شخص کو اپنے دائرے میں لے لیتی ہے جو توحید، رسالت، کتاب اور یوم آخر پر ایمان لائے۔ اس طرح اس تہذیب نے ایک ایسی قومیت بنائی ہے جس میں بلا امتیاز

رنگ و نسل و زبان ہر انسان داخل ہو سکتا ہے، جس کے اندر تمام روئے زمین پر پھیل جانے کی استعداد موجود ہے، اور جو تمام بنی آدم کو ایک نظم ملت میں پیوستہ کر دینے، اور ان سب کو ایک تہذیب کا متبع بنا دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لیکن یہ عالمگیر انسانی برادری قائم کرنے سے اس کا اصل مقصد اپنے متبعین کی مردم شماری بڑھانا نہیں ہے، بلکہ تمام انسانوں کو اس علم صحیح اور عمل صحیح کے فیض میں شریک کرنا ہے جو ان سب کے خدا نے ان سب کی بھلائی کے لیے عطا فرمایا ہے، اس لیے وہ اس برادری میں شامل ہونے کے لیے ایمان کی قید لگا کر صرف ان لوگوں کو چن لینا چاہتی ہے جو خدا کی حکومت مطلقہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے لیے آمادہ ہوں، اور ان حدود اور قوانین کی پابندی قبول کریں جو خدا نے اپنے رسول اور اپنی کتاب کے ذریعہ سے مقرر کیے ہیں کیونکہ صرف ایسے ہی لوگ (خواہ وہ کتنے ہی کم ہوں) اس تہذیب کے نظام میں کھپ سکتے ہیں، اور انہی سے ایک صحیح اور منضبط نظام قائم ہو سکتا ہے۔ منکرین یا منافقین یا ضعیف الایمان لوگوں کا گھس آنا اس نظام کے لیے سبب قوت نہیں بلکہ موجب ضعف ہے۔

(۴) ہمہ گیری اور آفاقیت کے ساتھ اس تہذیب کی نمایاں خصوصیت اس کا زبردست ڈسپلن اور اس کی طاقت و گرفت ہے جس سے وہ اپنے متبعین کو شخصی و اجتماعی حیثیت سے اپنے آئین کا پابند بناتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوانین بنانے، اور حدود مقرر کرنے سے پہلے قوانین کا اتباع اور حدود کی پابندی کرانے کا بندوبست کرتی ہے۔ حکم دینے سے پہلے اس کا انتظام کرتی ہے کہ اس کا حکم نافذ ہو۔ وہ سب سے پہلے انسان سے خدا کی فرمانروائی تسلیم کراتی ہے، پھر اس کو یقین دلاتی ہے کہ رسول اور کتاب کے ذریعہ سے جو احکام دیے گئے ہیں وہ خدا کے احکام ہیں، اور ان کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہے، پھر وہ اس کے نفس میں ایک ایسی پولیس متعین کر دیتی ہے جو ہر وقت اور ہر حال میں اس کو احکام کی اطاعت پر ابھارتی، خلاف ورزی پر سرزنش کرتی، اور عذاب یوم عظیم کا خوف دلاتی رہتی ہے۔ اس طرح جب وہ اس قوت نافذہ کو ہر شخص کے نفس و ضمیر میں متمکن کر کے اپنے پیرووں میں یہ صلاحیت پیدا کر دیتی ہے کہ خود اپنی دلی رغبت و

سے قوانین کے اتباع اور حدود کی پابندی اور اخلاق حسنہ سے متخلق ہونے کے لیے آمادہ ہوں، تب وہ ان کے سامنے اپنے قوانین پیش کرتی ہے، ان کو احکام دیتی ہے، ان کے لیے حدود مقرر کرتی ہے، ان کے لیے زندگی بسر کرنے کے طریقے وضع کرتی ہے، اور اپنے مصالح کے لیے ان سے سخت سے سخت قربانیوں کا مطالبہ کرتی ہے۔ یہ ایسا طریقہ ہے جس سے زیادہ حکیمانہ طریقہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس طریقہ سے اسلامی تہذیب کو جو زبردست نفوذ واثر حاصل ہوا ہے وہ کسی دوسری تہذیب کو نصیب نہیں ہوا۔

(۵) دنیوی نقطۂ نظر سے اس تہذیب کا اصل مقصد ایک صحیح اجتماعی نظام قائم کرنا اور ایک صالح اور پاکیزہ سوسائٹی کو وجود میں لانا ہے۔ مگر ایسی سوسائٹی کا وجود میں آنا ممکن نہیں ہے جب تک کہ اس کے ہر ہر فرد کو اخلاق فاضلہ وصفاتِ حسنہ سے متصف نہ کردیا جائے، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ افراد کے نفوس کا تزکیہ کیا جائے تاکہ وہ ردی اور منتشر افکار کی آماجگاہ نہ رہیں، صحیح اور پاکیزہ خیالات ان میں راسخ ہوجائیں، اور ایک ایسی مضبوط سیرت ان کے اندر پیدا ہوجائے جس سے اعمال صالحہ کا صدور بالطبع ہونے لگے۔ اسلام نے اپنی تہذیب میں اس قاعدہ کی پوری پوری رعایت ملحوظ رکھی ہے۔ وہ سوسائٹی کے لیے بہترین افراد مہیا کرنا چاہتا ہے، اور ایسے افراد کی تربیت کے لیے ضروری سمجھتا ہے کہ سب سے پہلے ان میں ایمان کو راسخ کردے، جو ایک اعلیٰ درجہ کی مضبوط سیرت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ یہی ایمان ہے جس کے ذریعہ سے وہ افراد میں صداقت، امانت، نیک نفسی، احتساب، حق پسندی، ضبطِ نفس، تنظیم، فیاضی، وسعت نظر، خودداری، انکسار و فروتنی، فراخ حوصلگی، بلند ہمتی، ایثار وقربانی، فرض شناسی، صبر واستقامت، شجاعت وبسالت، قناعت واستغنا، اطاعت امر اور اتباع قانون کے عمدہ اوصاف پیدا کرتا ہے، اور ان کو اس قابل بناتا ہے کہ ان کے اجتماع سے ایک بہترین سوسائٹی وجود میں آئے۔

(۶) اس تہذیب کے ایمانیات میں ایک طرف وہ تمام قوتیں موجود ہیں جو انسان کے اندر اخلاق حسنہ وملکات فاضلہ پیدا کرنے اور ان کی پرورش اور حفاظت کرنے والی ہیں۔ دوسری طرف ان میں یہ بھی قوت ہے کہ

وہ انسان کو دنیوی ترقی کے لیے ابھارتے ہیں، اس کو اس قابل بناتے ہیں کہ دنیا کے اسباب و وسایل کو بہترین طریقہ پر برتے اور ان تمام قوتوں کو اعتدال کے ساتھ استعمال کرے جو خدا نے اسے عطا کی ہیں، اور اس میں وہ تمام عمدہ صفات پیدا کرتے ہیں جو دنیا میں حقیقی ترقی کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ ان ایمانیات میں انسان کی عملی قوتوں کو منظم کرنے اور تنظیم کے ساتھ حرکت دینے کی زبردست طاقت موجود ہے، اور اس کے ساتھ ہی ایمانیات یہ طاقت بھی رکھتے ہیں کہ اس حرکت کو حد سے تجاوز نہ کرنے دیں، اور ان راستوں سے منحرف نہ ہونے دیں جن سے ہٹ جانا تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ایمانیات اپنے اندر وہ تمام خوبیاں بہ شئی زائد رکھتے ہیں جو دوسرے مذہبی اور دنیوی ایمانیات میں جدا جدا پائی جاتی ہیں، اور ان تمام خرابیوں سے پاک ہیں جو مختلف مذہبی اور دنیوی ایمانیات میں موجود ہیں۔

تہذیب اسلامی میں ایمان کی اہمیت | یہ اس تہذیب کا ایک مجمل خاکہ ہے جس کو اسلام نے قائم کیا ہے۔ اگر ہم تمثیل کے پیرایہ میں اس کو ایک عمارت فرض کرلیں، تو یہ ایک ایسی عمارت ہے جس کو مستحکم کرنے کے لیے نہایت گہری نیو کھودی گئی، پھر چھانٹ چھانٹ کر پختہ سے پختہ اینٹیں مہیا کی گئیں، اور ان کو بہترین چونے سے پیوستہ کر دیا گیا، پھر عمارت اس شان کے ساتھ بنائی گئی کہ بلندی میں آسمان تک اٹھتی چلی جائے۔ وسعت میں آفاق پر پھیلتی چلی جائے، مگر اس وسعت و رفعت کے باوجود اس کے ارکان میں ذرا تزلزل واقع نہ ہو، اس کی دیواریں اور اسکے ستون چٹان کی سی مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں۔ اس عمارت کے دروازے اور روشن دان اس طرز پر بنائے گئے ہیں کہ باہر کی روشنی اور صاف ہوا کو بخوبی داخل ہونے دیتے ہیں، مگر گرد و غبار اور خس و خاشاک اور باد و باراں کو داخل ہونے سے روک دیتے ہیں۔ یہ تمام خوبیاں جو اس عمارت میں پیدا ہوتی ہیں ایک ہی چیز کی بدولت ہیں، اور وہ ایمان ہے۔ وہی اسکی بنیادیں استوار کرتا ہے: وہی ردی اور ناکارہ مواد کو چھانٹ کر عمدہ مواد اخذ کرتا ہے، وہی مواد خام کو پکا کر پختہ اینٹیں طیار کرتا ہے، پھر یہی وہ مسالہ ہے جو ان اینٹوں کو پیوستہ کرکے ایک بنیان مرصوص بناتا ہے، اسی پر اس عمارت کی وسعت اور رفعت، اور استحکام کا انحصار ہے، یہی

اس کو پھیلاتا بھی ہے، بلند بھی کرتا ہے، مضبوط بھی کرتا ہے، بیرونی مفسدات سے اس کی حفاظت بھی کرتا ہے، اور پاکیزہ چیزوں کو اس میں داخل ہونے کا موقع بھی دیتا ہے۔ پس ایمان اس عمارت کی جان ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو اس کا قائم رہنا کیسا، وجود میں آنا ہی محال ہے۔ اور اگر یہ ضعیف ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ عمارت کی بنیادیں کمزور، اس کی اینٹیں بودی، اس کا چونا خراب، اس کے ارکان متزلزل ہیں، اس کے اجزاء میں پیوستگی نہیں، اس میں پھیلنے اور بلند ہونے کی صلاحیت نہیں، اس میں بیرونی مفسدات کو روکنے اور اپنی پاکیزگی و نظافت کو محفوظ رکھنے کی قوت نہیں۔

غرض ایمان کا عدم اسلام کا عدم ہے، ایمان کا ضعف اس کا ضعف ہے، ایمان قوت اس کی قوت ہے۔ پھر چونکہ اسلام محض ایک مذہب ہی نہیں بلکہ اخلاق، تہذیب، معاشرت، تمدن، سیاست سب کچھ ہی اسلیے ایمان کی حیثیت اس نظام میں صرف مذہبی عقیدہ ہی کی نہیں بلکہ اسی پر افراد کے اخلاق اور ان کی سیرت کا بھی انحصار ہے، وہی ان کے معاملات کی درستی کا بھی ذمہ دار ہے، وہی ان کو جوڑ کر ایک قوم بھی بناتا ہے، وہی ان کی قومیت اور ان کی تہذیب کی محافظت بھی کرتا ہے، وہی ان کے تمدن، انکی معاشرت، اور انکی سیاست کا مایۂ خمیر بھی ہے۔ ایمان کے بغیر اسلام نہ صرف ایک مذہب کی حیثیت سے قائم نہیں ہو سکتا، بلکہ بحیثیت ایک تہذیب اور تمدن اور نظام سیاسی کے بھی قائم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ایمان ضعیف ہو تو یہ محض مذہبی عقیدہ کا ضعف نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اخلاق خراب ہو جائیں، ان کی سیرتیں کمزور ہو جائیں، ان کے معاملات بگڑ جائیں، ان کی معاشرت اور ان کے تمدن کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ ان کے درمیان قومیت کا رشتہ ٹوٹ جائے، اور وہ ایک آزاد اور باعزت اور طاقتور قوم کی حیثیت سے زندہ نہ رہ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ایمان ہی پر اسلام و کفر کا مدار رکھا گیا ہے اور وہی نظام اسلامی میں داخل ہونے کی اولین شرط ہے۔ سب سے پہلے انسان کے سامنے ایمان ہی پیش کیا جاتا ہے۔ اگر اس نے ایمان کو قبول کر لیا تو امت مسلمہ میں داخل ہو گیا، مسلمانوں کی معاشرت، تمدن، سیاست سب میں برابر کا شریک ہو گیا اور تمام احکام، حدود اور قوانین اس سے متعلق ہو گئے۔ لیکن اگر اس نے ایمان کو قبول نہیں کیا تو دائرۂ اسلامی

میں کسی حیثیت سے داخل نہیں ہو سکتا۔ اسلام کا کوئی حکم اور کوئی قانون اس پر نافذ نہ ہوگا، اور مسلمانوں کی جماعت میں وہ کسی طرح شریک نہ ہو سکے گا، کیونکہ اس نظام میں اس کی کھپت قطعاً محال ہے، اور اس کے قوانین و حدود کی پابندی وہ کر ہی نہیں سکتا۔

نفاق کا خطرہ جو لوگ دعوت ایمان کو علانیہ رد کر دیں۔ ان کا معاملہ تو صاف ہے۔ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کفر و ایمان کی سرحد اتنی واضح اور نمایاں ہے کہ وہ دائرۂ اسلامی میں داخل ہو کر کوئی خلل برپا نہیں کر سکتے۔ مگر وہ لوگ جو مومن نہیں ہیں اور ایمان کا اظہار کر کے مسلمانوں کی جماعت میں گھس جاتے ہیں، اور وہ جن کے دلوں میں شک کی بیماری ہے، اور وہ جو ضعیف الایمان ہیں، ان کا وجود نظام اسلامی کے لیے نہایت خطرناک ہے، کیونکہ وہ اسلام کے دائرے میں تو داخل ہو جاتے ہیں، مگر اسلامی اخلاق اور اسلامی سیرت اختیار نہیں کرتے، اسلامی قوانین کا اتباع اور حدود الٰہی کی پابندی نہیں کرتے، اپنے خراب اخلاق و اعمال سے مسلمانوں کے تمدن و تہذیب کو خراب کر دیتے ہیں، اپنے دلوں کے کھوٹ سے مسلمانوں کی قومیت اور سیاسی حرمت کی جڑیں کھوکھلی کر دیتے ہیں، اور ہر اس فتنے کے اٹھانے اور بھڑکانے میں حصہ لیتے ہیں جو اسلام کے خلاف اندر یا باہر سے برپا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو "منافق" کہا گیا ہے، اور وہ تمام خطرات ایک ایک کر کے بیان کیے گئے ہیں، جو اسلامی جماعت میں ان کے داخل ہو جانے سے پیدا ہوتے ہیں۔

ان کی صفت یہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر حقیقت میں مومن نہیں ہوتے:۔

مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (۲ : ۲)	جو کہتا ہے کہ ہم اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے، حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

وہ مسلمانوں سے مسلمانوں کی سی باتیں کرتے ہیں اور کافروں سے کفار کی سی:۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ (۲ : ۲)	جب وہ ایمان لانے والوں سے ملے تو کہا کہ ہم ایمان لے آئے۔ اور جب اپنے شیاطین کے پاس گئے تو بولے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔

وہ آیات الٰہی کا مذاق اڑاتے اور ان میں شکوک کا اظہار کرتے ہیں:۔

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَ یُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ (۴: ۲)

جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اُڑایا جاتا ہے تو انکے ساتھ نہ بیٹھو۔

وہ مذہبی فرائض سے جی چراتے ہیں، اگر ادا کرتے بھی ہیں تو مجبوراً محض مسلمانوں کو دکھانے کے لیے ورنہ حقیقۃً ان کے دل احکام الٰہی کی اطاعت سے منحرف ہوتے ہیں:۔

وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ وَ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ (۴: ۲۱)

اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو با دل ناخواستہ کھڑے ہوتے ہیں محض لوگوں کو دکھاتے ہیں، خدا کو یاد نہیں کرتے، اور اگر کرتے بھی ہیں تو کم۔ وہ بیچ میں مذبذب ہیں، نہ پورے اِدھر ہیں نہ پورے اُدھر۔

وَ لَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ (۹: ۷)

وہ نماز کے لیے نہیں آتے مگر با دل ناخواستہ اور راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے مگر کراہت کے ساتھ۔

وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا (۹: ۱۲)

اعراب میں سے بعض ایسے ہیں کہ جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اسکو زبردستی کا جرمانہ سمجھتے ہیں۔

وہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اسلامی قوانین کا اتباع نہیں کرتے بلکہ اپنے معاملات میں کفار کے قوانین کی پیروی کرتے ہیں:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ (۴: ۹)

کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس کتاب پر جو تیرے اوپر اتاری گئی ہے اور ان پر جو تجھ سے پہلے اتاری گئی تھیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات شیطانی حاکم کے پاس لے جائیں حالانکہ ان کو حکم دیا جا چکا ہے کہ اس کا حکم نہ مانیں۔

ان کے اعمال خود خراب ہوتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے عقائد و اعمال بھی خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں:-

يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ (۹:۹)

وہ برائی کا حکم دیتے اور بھلائی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ نیک کاموں سے کھینچے رہتے ہیں وہ خدا کو بھول گئے اسلیے خدا نے بھی انکو بھلا دیا۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً (۴:۱۲)

وہ چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی کفر کرو جیسا انھوں نے کفر کیا تاکہ تم اور وہ برابر ہو جائیں۔

وہ مسلمانوں کے ساتھ اسی وقت تک ہیں جب تک ان کا فائدہ ہے۔ جہاں فائدہ گم ہوا اور انھوں نے قوم کا ساتھ چھوڑا:

وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ

انمیں سے بعض صدقات کی تقسیم میں تجھ پر طعنہ زنی کرتے ہیں اگر انکو صدقات میں سے دیا گیا تو خوش ہو گئے اور اگر نہ دیا گیا تو بگڑ گئے۔

جب اسلام اور مسلمانوں پر مصیبت کا وقت آتا ہے تو وہ جنگ سے انکار کر دیتے ہیں کیونکہ حقیقت میں تو انکو اسلام سے محبت ہی نہیں ہے کہ اسکے لیے کوئی قربانی کریں، نہ وہ اس قربانی پر کسی اجر کے قائل ہوتے ہیں نہ انکو اسلام کی حقانیت کا یقین ہوتا ہے کہ اسکی تائید میں جانیں لڑانے پر آمادہ ہوں۔ وہ طرح طرح سے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اگر جنگ میں شریک بھی ہوتے ہیں تو وہاں منافقت سے بلکہ انکی شرکت مسلمانوں کے لیے قوت کے بجائے ضعف کا سبب بن جاتی ہے۔ انکی اس کیفیت کو سورۂ آل عمران (رکوع ۱۲-۱۷) سورۂ نساء (رکوع ۱۰-۱۱-۱۲-۲۰) سورۂ توبہ (رکوع ۷-۱۱-۱۲) اور سورۂ احزاب (رکوع ۲) میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

انکی سب سے زیادہ خطرناک صفت یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر مصیبت آتی ہے تو کفار سے مل جاتے ہیں ان کو خبریں پہنچاتے ہیں ان سے ہمدردی کرتے ہیں، مسلمانوں کی مصیبت پر خوش ہوتے ہیں اپنی قوم سے غداری کرکے کفار سے اعزاز اور مناصب حاصل کرتے ہیں، ہر فتنہ جو اسلام کے خلاف اُٹھتا ہے اسمیں سب سے آگے بڑھ کر حصہ لیتے ہیں، اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈالنے کے لیے سازشیں کرتے رہتے ہیں ان صفات کو بھی آل عمران، نساء، توبہ، احزاب، اور منافقون میں مفصلاً بیان کیا گیا ہے۔

اس سے اچھی طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نظام اسلامی کے قیام و بقاء و استحکام کے لیے صحیح اور خالص ایمان ناگزیر ہے ایمان کی کمزوری اس نظام کو جڑ سے لیکر آخری شاخ تک کھوکھلا کر دیتی ہے اور اسکے خطرناک اثرات سے اخلاق، معاشرت، تمدن، تہذیب، سیاست کوئی چیز نہیں بچ سکتی۔